عالمی منشور حقوق انسانی کا اسلامی نقطہ نظر سے جائزہ

گل قدیم جان اسسٹنٹ پروفیسر وینسم کالج ڈیرہ اسماعیل خان

عصر حاضر میں انسانی حقوق سب سے زیادہ زیر بحث آنے ولا موضوع ہے، پوری دنیا میں عموماً اور یورپ میں خصوصاً الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اسکی تشہیر کی جارہی ہے اور یہ اہل مغرب کے ہاتھوں میں آج کل ایک ایسا مضبوط فکری ہتھیار ہے جس کے ذریعے وہ تیسری دنیا، خصوصاً مسلم ممالک پر حملہ آور ہیں اور اس فکری ہتھیار کے ذریعے مسلم ممالک کے فلسفہ حیات اور اسلامی سولائز یشن کو مغلوب کرنے اور مغربی فلسفہ حیات اور مغربی سوالائزیشن کو عام کرنے میں کوشاں ہیں۔ عالمی منشور کی تیاری اور اجراء میں یہ سوچ کارفرما ہے کہ مذہب کا تعلق صرف عقائد وعبادات اور اخلاقیات سے ہے جس میں ہر انسان آزاد ہے کہ وہ عقائد، عبادات اور اخلاقیات میں جو طرز فکر اختیار کرے، اس کی مرضی ہے یہ اسکا ذاتی معاملہ سمجھا جائے کوئی ریاست یا اتھارٹی اس سے کسی قسم کا تعرض نہ کرے البتہ انسانی زندگی کے اجتماعی معاملات، مثلاً سیاسی نظام، معاشی ومعاشرتی نظام کے ساتھ مذہب کا کوئی سروکار نہیں ہے ان امور میں ہر قوم اپنی مرضی کے مطابق اکثریتی رجحانات کے مطابق کوئی بھی نظام اختیار کرسکتی ہے اور وہ نظام مذہبی اثرات سے آزاد ہوگا۔ اسے اصطلاحاً سیکولر نظام سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اس سیکولر نظام کو قبول کرنے کا تقاضہ ہر ملک وقوم سے کیا جارہا ہے۔ اہل مغرب انسانی حقوق کے بارے میں اقوام متحدہ کے چارٹر یعنی عالمی حقوق انسانی کے منشور کو مسلمہ معیار قرار دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں وہ الگ رویے کی حامل اور مختلف نقطہ نظر رکھنے والی تیسری دنیا اور خصوصاً اسلامی دنیا کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا مرتکب قرار دے رہے ہیں۔ اس مہم میں اہل یورپ کو عالمی ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ اسلامی ممالک میں ان کی ہم خیال حکومت مکتبہ فکر لابیوں کا بھی بھرپور تعاون حاصل ہے۔

عالمی منشور حقوق انسانی کا اجمالی جائزہ:۔

بہت سے مفکرین کی رائے کے مطابق اقوام عالم کے منشور میں اسلام کے عطا کردہ انسانی حقوق کو سمو دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ بنیادی طور پر یہ ایک اچھا منشور نظر آتا ہے۔ اس کے اصول کلیات پر غور وفکر کرنے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ فرد کے حقوق اور آزادیوں کا یہ ایک اچھا مجموعہ ہے جسمیں ایک عام انسان کے (بحیثیت انسان) بلاتفریق مذہب وقوم کافی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا تذکرہ آیا ہے۔ جہاں تک اصولی حقوق کا تعلق ہے بحیثیت انسان ان اصولی حقوق کو اسلام قدیم ترین عہد سے تسلیم کرتا ہے بلکہ اس نے ان کی تحصیل کا عملی نمونہ بھی اپنی تاریخ میں چھوڑا ہے، ہاں مغرب نے اپنے خاص تاریخی وثقافتی پس منظر، غیر معتدل مزاج ونفسیات کے زیر اثر ان کلیات کی جو تشریح کی ہے وہ بعض تشریحات اسلام کی تشریحات سے مختلف اور اسلام کے بنیادی تصورات سے متصادم ہیں جسکا جائزہ ہم اجمالی جائزے کے بعد پیش کرینگے۔ اجمالی طور پر دراصل اس منشور کی اصل روح، انفرادیت وذاتیات کا وہ رجحان ہے جس پر پوری مغربی تہذیب قائم ہے، مغربی تہذیب وطرز زندگی کا ہر فکری وعملی پہلو اسی روح پر استوار ہے اس کا مظہر اسکا معاشی نظام اور خصوصاً سرمایہ دارانہ نظام زندگی ہے، انفرادیت وذاتیت کی اس روح کو آپ فرد کی خودغرضی یا خود پرستی یعنی اپنے آپ سے مطلب اور ذاتی مفاد کی فکر سے تعبیر کرسکتے ہیں انفرادیت کی اس روح نے فرد کو اجتماعیت، معاشرے اور معاشرتی نظاموں کا مدمقابل تصور کرلیا ہے اور یہیں سے فرد کی آزادی اور اسکے حقوق کے خاص تحفظ اور اس کے فکر کے جذبات اٹھے ہیں۔

اس انفرادیت کے جذبے ومزاج نے معاشرے کے کسی مفید تصور، اس کے اجتماعی تقاضوں، اسکے اساسی اداروں، معاشرتی تعلقات کی پائیداری اور سماجی حقوق اور تحفظات اور اجتماعی ذمہ داریوں کے تصور کو کہیں دور پس منظر میں دھکیل دیا ہے۔ اس انفرادیت کے جذبے سے انسانیت کی تعمیر کا کام نہیں ہوسکتا اور نہ ہی انسان کو کبھی سکون وراحت مل سکتا ہے۔ کیونکہ انسانیت فرد اور معاشرے دونوں سے عبارت ہے انسان کی ضروریات ایک مربوط معاشرتی ماحول میں پوری ہوسکتی ہیں۔ اگر خود پرستی اور مطلق آزادی وحقوق کا تصور مضبوط ہو تو یہ انسانی معاشرت کے لئے زبردست نقصان کا باعث ہے اسکے منفی پہلوؤں کا عبرت ناک نمونہ مغربی معاشرہ میں ظاہر ہو چکا ہے کہ ہر فرد اپنی آزادی اور اپنے حقوق تو جانتا ہے اور اسکے حصول کی فکر میں سرگردان ہے جبکہ معاشرے کے حقوق کو وہ نہ صرف نظرا نداز کرتا ہے بلکہ اپنے پاؤں کی زنجیر سمجھتا ہے۔ خاندان معاشرے کا بنیادی یونٹ ہے۔ مغربی معاشرہ اس بنیادی یونٹ کی ذمہ داریوں سے گریزاں ہے۔ فرد پر انسانیت کے مستقبل کی ذمہ داری نہیں۔ مغرب میں فرد کی آزادی وہ مقدس دیوی ہے جس کے سامنے ہر انسانی مصلحت کو بھینٹ چڑھانا ضروری ہے۔

پورے مغربی سماجی فکر کی یہ ایک بہت بڑی غلطی ہے اور اسی غلطی کو حقوق انسانی کے اعلامیے اور منشور میں دہرایا گیا ہے کہ اس میں حقوق کو ذمہ داریوں کے احساس سے نہیں جوڑا گیا ہے یعنی اس بات کا تو خوب ادراک ہے بلکہ ایک زبردست مطالبہ کی حد تک احساس ہے کہ بحیثیت ایک فرد میرے حقوق کیا ہیں، میں کتنا آزاد ہوں، میں کتنا مرضی کا مالک اور خود مختیار ہوں مگر فرد کی کیا ذمہ داریاں ہیں اس سے ہر فرد ناواقف ہے اور اپنی ذمہ داریوں کا احساس تک بھی نہیں ہے جبکہ حقیقت یہ ہے کہ حقوق وفرائض لازم وملزوم ہیں حقوق کا ذمہ داریوں سے الگ تصور ممکن ہی نہیں۔ پس افراد کو اپنے درمیان ذمہ داریوں اور حقوق کے رشتوں کو سمجھنا ہوگا، اس کے بغیر حقوق کا فلسفہ بغیر پیسے کی گاڑی اور نقش برآب ہے۔ ہر فرد کو اپنے حقوق کی ہی پروا ہوگی اور قانون بھی اسکو اپنے حقوق ہی یاد دلاتا ہوگا۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ یہ حقوق کہاں سے حاصل کرے گا؟ نتیجہ یہ ہوگا کہ افراد کے اندر ایک تنازع کی کیفیت، خودغرضی اور لگاتار کشمکش پیدا ہوجائے گی جس کا کوئی اختتام نہیں ہوگا۔

عالمی منشور حقوق انسانی میں ایک بہت بنیادی کمی اور نقص ایسا ہے جسکی وجہ سے اس کے بارے میں عالمگیریت اور آفاقیت کے سارے دعووں کو جڑ سے بے اصل بنادیا ہے۔ اس منشور کو تیار کرنے والوں کے ذہن کی رسائی اتنی محدود تھی کہ وہ صرف انہی حقوق کو سوچ سکے جو فرد اور ریاست کے تعلقات میں فرد کو حاصل ہوتے ہیں ان کو ایک انسان کے بس وہی حقوق بنیادی، فطری اور پیدائشی حقوق نظر آئے جو فرد کے ریاست پر عائد ہوتے ہیں باقی رہے وہ حقوق جو انسان کو بحیثیت انسان ہونے چاہئیں جس میں انسان کی ذمہ داریاں بھی شامل ہوتی ہیں، اس سے عالمی منشور خالی ہے جیسا کہ والدین کے اپنے بچوں پر حقوق نہیں بتائے گئے وغیرہ اسکا سبب یہی ہے کہ مغربی فلسفے میں فرد کو اپنی سماجی ذمہ داریوں کا شعور واحساس دلانا اور اسکو بحیثیت انسان پابند کرنا انسانی آزادی کے خلاف عمل ہے۔

مذکورہ بالا خامیوں کے باوجود اس طرز عمل کو عالمی معیار کا درجہ دیکر حقوق انسانی کی خوشنما تعبیر کی بدولت اہل مغرب کی نظریاتی وفکری یلغار میں امت مسلمہ کے عقائد واحکام اور روایات واقدار مغربی دانشوروں اور مغربی ذرائع ابلاغ کے حملوں کی زد میں ہیں۔ ذیل

میں ہم چند ان دفعات کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں۔ جنکو بنیاد بنا کر اہل مغرب اسلامی احکامات کو تنقید کا نشانہ بنا دیتے ہیں اور مسلم ملک پر اپنی اقدار مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اقوام متحدہ کی بعض دفعات کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں جائزہ:۔

''اقوام متحدہ کے منشور حقوق انسانی کا دفعہ نمبر ۵:۔ کسی شخص کو تشدد اور ظلم کا نشانہ نہیں بنایا جائے گا اور کسی شخص کے ساتھ غیر انسانی اور ذلت آمیز سلوک نہیں کیا جائے گا۔ یا ایسی سزا نہیں دی جائے گی''

اقوام متحدہ کے منشور کے اس دفعہ کے مطابق کسی مجرم کو دی جانے والی سزا کا تشدد اور تذلیل کی آمیزش سے خالی ہونا ضروری ہے اور جس سزا میں ان میں سے کوئی عنصر موجود ہوگا وہ انسانی حقوق کے منافی قرار پائے گی۔

اسلامی تعلیمات کے مطابق بھی کسی شخص کو جسمانی اور ذہنی اذیت کا نشانہ نہیں بنایا جائیگا نہ ہی اسکی اہانت کی جائے گی۔ اذیت دہی، ہتک آمیز یا غیر انسانی سلوک سے تحفظ کا حق ہر شخص کو حاصل ہے۔

اقوام متحدہ کے عالمی منشور اور اسلامی تعلیمات ہر دو میں ہر شخص کو تشدد ظلم اور غیر انسانی سلوک سے نجات کا حق دیا گیا ہے۔ لیکن چند تصورات کے طریق کار اور اطلاق کے بارے میں مغربی طرز فکر اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ اہل مغرب کے ہاں، سوائے سزائے موت کے، جو پوری یورپی یونین کے چند ممبر ممالک میں رائج ہے، باقی اسلامی سزاؤں کو ظالمانہ تصور کیا جاتا ہے اور اقوام متحدہ کے منشور کے مذکورہ دفعہ کی رو سے ان سزاؤں کا اجرا حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے جبکہ اسلامی تعلیمات کے مطابق مخصوص صورتوں میں مجرموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف مقرر شدہ سزائیں دینا ظالمانہ نہیں ہے اور نہ ہی حقوق انسانی کی خلاف ورزی ہے بلکہ بہت ساری حکمتوں پر مبنی ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کی طرح اسلام میں حدود و تعزیرات کو بطور انتقام کے جاری نہیں کیا بلکہ حدود شرعیہ کے نفاذ کا مقصد نظام تمدن کی درستگی اس کے اختلال کو روکنا، مظلوم کی حمایت، شریف اور امن پسند شہریوں میں احساس تحفظ پیدا کرنا اور سماج دشمن عناصر کے دل میں خوف پیدا کر کے انہیں ایسی حرکات و افعال سے باز رکھنا ہے جن کے باعث اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد جنم لیتا ہے۔ اور معاشرے کے افراد کا اخلاقی معیار پست ہو جاتا ہے اور ایک دوسرے کے حقوق کی پامالی عام ہو جاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے حدود شرعیہ کے فلسفے پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھا ہے کہ بعض گناہوں کے ارتکاب کی اللہ تعالیٰ نے حد مقرر فرمائی ہے اور یہ ایسے گناہ ہیں جن کے ارتکاب سے زمین پر فساد پھیلنے کی کئی صورتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو ان معاصی کی نحوست سے معاشرے میں فساد اور نظام تمدن میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور لوگوں کے آرام و راحت فنا ہو جاتے ہیں۔ معاشرے کے افراد سے طمانیت اور سکون قلب رخصت ہو جاتا ہے دوسری بات یہ ہے کہ وہ کچھ گناہ اس قسم کے ہوتے ہیں کہ ان کے لئے بنی نوع انسان کے نفوس کے اندر پہلے داعیہ ہوتا ہے اور دو چار بار ارتکاب کرنے سے ان کی عادت ہو جاتی ہے پھر ہمیشہ اُن کی طرف دھیان ہوتا ہے اور انسان کی ایسی حالت ہوتی ہے کہ انسان کے لئے اس سے باز رہنا اور اس عادت کو چھوڑنا مشکل ہو جاتا ہے اور اسمیں اکثر اوقات ایسی حالت پیدا ہو جاتی ہے کہ مظلوم اپنی طرف سے ظالم کا ظلم دفع کرنے میں بے بس ہو جاتا ہے یہ عوام الناس میں اکثر ہوتا رہتا ہے تو اس قسم کے معاصی میں محض آخرت کا ڈرانا اور نصیحت کرنا کافی نہیں ہوتا، بلکہ آدمیوں کے سامنے اس قسم کے گناہوں پر نہایت

ملامت اور عبرت ناک سزا دینی چاہئے تا کہ جو لوگ اس قسم کے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اس سے باز آجائیں اور گناہ کے مرتکب افراد ساری زندگی، سوسائٹی کے دیگر افراد کے لئے سامان عبرت بنے رہیں، اور ان کے انجام کو دیکھ کر بہت کم لوگ اس قسم کے جرم کرنے کی جرأت کریں، جیسے زنا ہے کہ وہ عورتوں کے حسن و جمال کی رغبت کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہ ایسا گناہ ہے کہ اس وجہ سے عورت کے خاندان کی سخت رسوائی ہوتی ہے۔ اس کی عزت و ناموس کو سخت دھچکا لگتا ہے اور پورے خاندان کے افراد کے لئے نہایت تذلیل کا باعث ہوتا ہے اور اسکی وجہ سے دو خاندان کے درمیان کشت وخون کا غالب گمان بھی ہے۔ اور زنا اکثر زانی اور زانیہ کی رضامندی سے ہوا کرتا ہے اور اسکے ارتکاب کی جگہ بھی عموماً پوشیدہ ہوتی ہے اور تنہائی کی وجہ سے صرف بعض لوگوں کو ہی اس کا علم ہوتا ہے۔ پس اگر حد شرعی کی تنفیذ نہ کی جاتی تو اس برائی کے برسر عام پھیل جانے میں ذرا بھی دیر نہ لگتی۔ ایک مثال چوری کی ہے کہ بسا اوقات انسان اپنے لئے کوئی جائز اور حلال ذریعہ معاش تلاش نہیں کر پاتا تو چوری کی طرف مائل ہو جاتا ہے ایک دو بار چوری کرنے کے بعد چوری اس کی عادت بن جاتی ہے۔[۱]

زنا اور چوری کے علاوہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے ان دوسرے جرائم کا بھی تذکرہ کیا ہے جن کے ارتکاب پر شرعی حدود جاری ہوتی ہیں انہوں نے ان کے شرعی مصالح کا بھی تذکرہ کیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رو سے اسلامی سزاؤں کا نفاذ محض سزا دینا مقصود نہیں ہے بلکہ سزا سے فرد کی اصلاح اور سزا کی نمائش سے دیگر افراد معاشرہ کے لئے عبرت پکڑنا مقصود ہے۔ کیونکہ اسلام کا منشا یہ ہے کہ شر پسند عناصر کے دل میں خوف خدا بٹھا کر انہیں ایسے اقدامات سے باز رکھا جائے جو صالح معاشرے میں اختلال پیدا کرتے ہیں اور حقوق انسانی کی پامالی کا سبب بنتے ہیں۔ پس اسلامی سزاؤں کی تنفیذ بھی انسانی حقوق کی پاسداری اور تحفظ کا ذریعہ ہے جبکہ اہل مغرب اسلام کی مقررہ کردہ سزاؤں کو ظالمانہ اور غیر انسانی سلوک قرار دے رہے ہیں۔ اور ان کی تنفیذ کو انسانی حقوق کے منافی قرار دے رہے ہیں اور معاشرتی جرائم کی بناء پر پاکستان کی عدالت عظمیٰ میں مجرم کو کھلے بندوں سزا دینے کے فیصلے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی گردانا گیا ہے پاکستان میں برائے نام نافذ چند اسلامی تعزیراتی قوانین کو ختم کرنے کے لئے مغربی ممالک کی طرف سے مسلسل دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام کا حدود و تعزیرات کا نظام معاشرتی امن اور حقوق انسانی کا ضامن ہے جہاں بھی یہ نظام نافذ ہو وہاں جرائم نہ ہونے کے برابر ہونگے۔ مملکت سعودیہ کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ سب سے کم جرائم وقوع میں آتے ہیں۔ افغانستان میں طالبان دور کا مثالی امن عصر حاضر کے لوگوں کی چشم کشائی کے لئے کافی ہے جس کا اعتراف حقیقت پسند لوگ کر چکے ہیں جبکہ مہذب دنیا کی مثالیں بھی ہمارے سامنے ہیں کہ امریکہ جیسا ملک اپنے آپ کو حقوق انسانی کا علمبردار تصور کرتا ہے اُس کے شہر نیویارک میں کچھ وقت کیلئے بجلی چلی گئی تھی تو لوگوں نے تاریکی کا فائدہ اٹھا کر لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم کر دیا تھا۔ اور اس لوٹ کھسوٹ کی خبریں پوری دنیا کے اخبارات کی زینت بن گئی تھیں۔

اقوام متحدہ کے منشور حقوق انسانی کی دفعہ نمبر ۱۶:۔

''پوری عمر کے مردوں اور عورتوں کو نسل، قومیت یا مذہب کی کسی تحدید کے بغیر باہم شادی کرنے اور خاندان کی بنیاد رکھنے کا حق حاصل ہے شادی، دوران شادی اور اس کی تنسیخ کے سلسلہ میں وہ مساوی حقوق رکھتے ہیں''۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے اس دفعہ میں چند باتیں غور طلب ہیں

(۱) پوری عمر کے مرد و عورت سے عمر کا کونسا عرصہ مراد ہے غالباً بلوغت مراد ہے

(۲) مذہب کی کسی تحدید کے بغیر نکاح کا حق

(۳) شادی کے سلسلے میں مرد و عورت کا مساوی حق

(۴) شادی کی تنسیخ کے سلسلہ میں دونوں (مرد و عورت) کے مساوی حقوق۔

اسلامی احکامات کی رو سے شادی کے لئے عمر کی کوئی قید نہیں ہے اگر چہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے لیکن بلوغت سے قبل نکاح بھی اسلامی تعلیمات کی رو سے جائز ہے۔

مولانا مفتی محمد شفیع نے آیت

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَا طَا بَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآ ءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ

(النسآء:۳)

''اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیموں کے بارے میں انصاف نہ کر سکو گے تو نکاح کرو جو عورتیں تمہیں خوش ہو، دو، دو۔ تین، تین اور چار ،چار''

کے ذیل میں لکھا ہے کہ اس آیت میں یتامیٰ سے مراد یتیم لڑکیاں ہیں اور اصطلاح شرع میں یتیم اس لڑکی یا لڑکے کو کہا جاتا ہے جو ابھی بالغ نہ ہو۔ تو اس لئے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ یتیم لڑکی کے ولی کو یہ بھی اختیار ہے کہ بحالت صغرسنی بلوغ سے پہلے ہی اسکا نکاح کر دے اور اس میں لڑکی کی مصلحت اور آئندہ فلاح و بہبود پیش نظر رہے۔[۲]

فتاوی اور فقہ کی اکثر کتابوں میں نابالغوں کے نکاح کے جواز کی تصریح کی گئی ہے چنانچہ الصبح النوری میں ہے کہ

ویجوز نکاح الصغیرا و ا لصغیرۃ اذا زوجھما الولی .[۳]

''اور چھوٹے لڑکے اور لڑکی کا نکاح جب ولی نے کیا ہو تو جائز ہے''

مذہب کی کسی تحدید کے بغیر نکاح کے حق کو اگر اسلامی تعلیمات کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ کیونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے کسی مسلم مرد کا مشرکہ عورت سے اور مسلم عورت کا غیر مسلم مرد سے نکاح جائز نہیں ہے۔

فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْ مِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْ هُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ط لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ

(سورۃ ممتحنہ : ۱۰)

''اگر جانو کہ وہ ایمان پر ہیں تو مت پھیرو ان کو کافروں کی طرف ان کافروں کیلئے یہ عورتیں حلال نہیں ہیں اور نہ ان عورتوں کیلئے یہ کافر حلال ہیں''۔

آیت مذکورہ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ مسلمان عورتیں کافروں کے مردوں کے ساتھ ازدواجی تعلقات برقرار نہیں رکھ سکتیں، ایک اور موقع پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ط وَ لَاَ مَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ج
وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ط (سورۃ البقرہ : ۲۲۱)

''اور نکاح نہ کرو مشرک عورتوں سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں اور البتہ ایمان والی، باندی بہتر ہے مشرک عورت سے اگر چہ وہ تمہیں اچھی لگی اور نکاح نہ کرو اپنی عورتوں کا، مشرکین سے جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں''

آیت کریمہ میں مشرک عورت کے ساتھ مسلمان مرد کو نکاح کرنے سے منع کیا گیا ہے اور مسلمان عورت کا مشرک مرد کے ساتھ نکاح کو ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

آخر میں آیت کریمہ میں مشرکوں سے بچنے اور ان سے ازدواجی تعلقات قائم نہ کرنے کی علت بتادی کہ مشرکین دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے مشرکین سے خواہ مرد ہو یا عورت ازدواجی میل جول رکھنے میں خطرہ ہے کہ مسلمان مرد ہو یا عورت انکے عقائد سے متاثر ہو جائیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرمایا ہے کہ ''مسلمانوں کی کافروں کے ساتھ صحبت اور مابین ان کے میل جول و غمخواری کا جاری ہونا خاص کر نکاح کے باب میں ان کے دین کی مفسد ہے اور اس کے قلب میں کفر کی طرف حرکت پیدا ہونے کا سبب ہے خواہ وہ اسکو معلوم ہو یا نہ ہو۔[۴]

اقوام متحدہ کے منشور کی رو سے شادی کے معاملے میں مرد اور عورت کے یکساں حقوق ہیں یعنی مرد اپنی مرضی سے بغیر ولی کی اجازت کے کسی بھی عورت کے ساتھ اسکی رضامندی سے نکاح کر سکتا ہے اسی طرح عورت بھی بغیر ولی کی اجازت کے کسی بھی مرد کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے جبکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے مرد کے بارے میں فقہاء کا کوئی اختلاف نہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتا ہے لیکن عورت کے بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے کہ آیا وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر سکتی ہے یا نہیں۔ امام مالک اور امام شافعی دونوں کا مسلک یہ ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عورت خود نکاح نہیں کر سکتی۔

وہ نبی کریم ﷺ کی درجہ ذیل ارشاد مبارک سے استدلال کرتے ہیں۔

اَيُّمَا امرأة نكحت بغير اذن وليها فنكا حها باطل باطل باطل۔[۵]

''جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے میں اسکا نکاح باطل ہے باطل ہے باطل ہے۔ جبکہ احناف کو اس حدیث کے بارے میں کلام ہے اور وہ استدلال کرتے ہیں کہ چونکہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ . (سورۃ البقرہ ۲۳۲).

''اگر تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو ان کو دوسرے شوہروں کے ساتھ نکاح کرنے سے مت روکو''

اس آیت کریمہ میں اولیاء کو حکم دیا گیا کہ جب عورت کی عدت ختم ہو جائے تو اسی کو نکاح سے نہ روکیں اور ان ینکحن میں نکاح کی نسبت عورتوں کی طرف کی گئی ہے اس لئے عورت کا بغیر ولی کی اجازت کے بعبارۃ النساء نکاح منعقد ہو جائے گا۔ بشرطیکہ

عورت آزاد اور عاقلہ بالغہ ہو البتہ ولی کا ہونا مستحب ہے۔[۶]

لیکن امام ابوحنیفہ کے ہاں بھی اگر عورت بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کرتی ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ نکاح کفو میں ہو۔ اگر غیر کفو میں نکاح کرتی ہے تو بغیر ولی کی اجازت کے درست نہیں ہے۔

صاحب الصحیح النوری نے لکھا ہے کہ نکاح میں کفاءت (ایک مخصوص برابری) معتبر ہے جس کا اعتبار مرد کی جانب سے ہوتا ہے کیونکہ شریف عورت کو کمتر کا فراش ہونا ناگوار ہوتا ہے پھر کفاءت اولیاء کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔ پس اگر وہ غیر کفو میں شادی کر لے۔ تو اولیاء اس میں تفریق کرا سکتے ہیں۔[۷]

مذکورہ تصریحات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ عورت اگر بغیر ولی کی اجازت کے کسی مرد کے ساتھ نکاح کرتی ہے تو اسمیں کفاءت کا خیال رکھا جائے گا۔ مرد کی طرح مکمل طور پر وہ نکاح کے سلسلے میں آزاد نہیں ہے۔

تنسیخ نکاح کے سلسلے میں مرد و عورت کا مساوی حق:۔ اقوام متحدہ کے منشور کے مطابق مرد و عورت کو تنسیخ نکاح کے سلسلے میں یکساں حقوق حاصل ہیں۔ یہ مساوی حق کا تصور اسلامی احکامات سے متصادم ہے کیونکہ اسلام میں تنسیخ نکاح جسکو شریعت کی اصطلاح میں طلاق کہا جاتا ہے کے بارے میں واضح ترجیحات قائم کی گئی ہیں اور دونوں کو یکساں حقوق بہرحال نہیں دیئے گئے ہیں۔ طلاق کا حق اسلامی تعلیمات کی رو سے مرد کو حاصل ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں بھی طلاق کا ذکر کیا ہے اسکی نسبت مرد کی طرف کی ہے کبھی بھی طلاق کی نسبت عورت کی طرف نہیں کی گئی ہے جس سے معلوم ہوا کہ طلاق یعنی تنسیخ نکاح مرد کا حق ہے عورت مرد کے ساتھ اس حق میں برابر نہیں ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ اِذَ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْ هُنَّ بِمَعْرُوفٍ اَوْ سَرِّ حُوْهُنَّ بِمَعْرُوْف

(سورۃ البقرۃ ۲۳۱)

''اگر تم عورتوں کو (دو دفعہ) طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں یا تو حسن سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریق شائستہ رخصت کر دو''

ہاں اگر عورت کا کسی وجہ سے اپنے شوہر سے نباہ نہ ہو سکے اور وہ شوہر سے آزاد ہونا چاہتی ہے تو اسلام میں اسکے لئے خلع کا طریق کار موجود ہے اور خلع کے ذریعے وہ اپنے خاوند سے جدائی اختیار کر سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کے حقوق انسانی کے منشور کی دفعہ نمبر ۱۸:۔

''ہر شخص کو آزادی خیال، آزادی ضمیر اور آزادی مذہب کا حق حاصل ہے اس حق میں اپنا مذہب یا عقیدہ تبدیل کرنے اور انفرادی اور اجتماعی طور پر علیحدگی میں یا سب کے سامنے اپنے مذہب یا عقیدے کی تعلیم، اس پر عمل، اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی پابندی کرنے کی آزادی کا حق شامل ہے''

اقوام متحدہ کے منشور کی اس دفعہ کی رو سے ہر شخص کو اپنا مذہب یا عقیدہ تبدیل کرنے کا حق حاصل ہے جبکہ اسلامی تعلیمات

کے مطابق مسلمانوں کا ارتداد قابل قبول نہیں ہے خدانخواستہ اگر کوئی مسلمان مرتد یعنی اپنا مذہب تبدیل کردے تو اس کو تین دن کی مہلت دی جائے گی اور علماء اُن کے خدشات علمی دلائل سے دور کرنے کی کوشش کریں گے۔ لیکن سمجھانے پر بھی اگر وہ ارتداد سے توبہ نہیں کرتا تو اسلامی ریاست ایسے نظریاتی سرحدوں کے باغی کو قتل کرنے کا حکم دیتی ہے۔ قرآن پاک میں بھی ایسے شخص کیلئے اللہ تعالیٰ کے غصے اور دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ (سورة النحل: ۱۰۶)

''جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد اس کے ساتھ کفر کرے۔ مگر یہ کہ اس پر جبر کیا جائے اور وہ مجبوراً (محض زبان سے کفر کی بات کہہ دے بشرطیکہ) اسکا دل ایمان پر قائم ہو تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ لیکن جو شخص کشادہ دلی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے گو ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوگا۔ اور ان کو بڑا عذاب دیا جائے گا۔ ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ . (سورة التوبه : ۲)

''اگر وہ اپنے عہد (یعنی قبول اسلام کا عہد) کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر زبان طعن دراز کریں تو پھر کفر کے سرداروں سے جنگ کرو۔ کیونکہ ان کی قسموں کا کائی اعتبار نہیں، شاید وہ اس طرح باز آجائیں۔

آیت کریمہ میں واضح طور پر دین اسلام کا عہد توڑنے یعنی تبدیل مذہب والوں کو کفر کا سردار قرار دیا گیا ہے اور ان کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا گیا اور جنگ کرنیکی حکمت یہ بتادی گئی ہے کہ شاید اس طریق پر وہ ارتداد یعنی تبدیلی مذہب سے باز آجائیں۔ ان آیت کریمہ سے بخوبی یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کی تبدیلی مذہب ہرگز قابل قبول نہیں لہذا اسلامی ریاست کیلئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے مسلمان شہریوں کو تبدیلی مذہب کی آزادی کا حق دے۔ اس بناء پر نبی کریم ﷺ پہلی اسلامی ریاست کے سربراہ اور شارح احکام خداوندی نے ارشاد فرمایا ہے

من بدل دينه فاقتلوه ۸

''جو شخص اپنے دین (اسلام) کو تبدیل کردے اسے قتل کردو''

ایک اور حدیث نبوی ﷺ ہے

لايحل دم رجل مسلم يشهد ان الا اله الا و انى رسول الله الا باحدىٰ ثلاث، الثيب الزانى و النفس بالنفس والتارک لدينه المفارق للجماعة ۹

''کسی ایسے مسلمان کا خون جو یہ گواہی دیتا ہو۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں، حلال نہیں مگر تین صورتوں میں، ایک تو شادی شدہ زانی، دوسرے قصاص میں اور تیسرے اس شخص کو جو اپنے دین (اسلام) یعنی مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ دے۔

تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے اور سلف وخلف کے تمام علماء کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کسی کا اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔[۱۰]

ہمارے موجودہ دور میں بعض لوگوں نے مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر مرتد کی سزا پر شور مچایا ہے اور استدلال کرتے ہیں کہ دین میں جبر نہیں ہے اس لئے مرتد کی سزا قتل نہیں ہے لیکن قرآن پاک کی آیات سے مرتد کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے اور نبی کریم ﷺ کے واضح احکامات کی موجودگی میں ایسے متجد دین کی آراء کی بدولت مرتد کی سزا قتل سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ تو قرآنی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کے احکامات کی وجہ سے کسی مسلمان کو تبدیلی مذہب میں آزادی کا حق نہیں دیا جا سکتا۔ مولانا تقی عثمانی نے لکھا ہے کہ جب ایک شخص ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہو گیا اور اسلام کے محاسن سے وہ آگاہ ہو گیا اب اگر وہ اسلام کو چھوڑنا چاہتا ہے تو دارالاسلام میں رہتے ہوئے اسکا یہ عمل فساد کا موجب ہے کیونکہ اسلامی ریاست میں جب وہ اسلام کو چھوڑے گا تو وہ ایسا ہے جیسے جسم کا ایک عضو فاسد ہو چکا ہو، اب اگر اس عضو کو باقی رکھا جائے گا تو اس کا فساد دوسرے اعضاء کی طرف سرایت کر جائے گا۔ اس وجہ اس عضو کو کاٹا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ تقریباً سترہ احادیث اور آثار سے قتل مرتد کا ثبوت ملتا ہے۔[۱۱]

اقوام متحدہ کے منشور حقوق انسانی کی دفعہ ۱۹:۔

''ہر شخص کو آزادی رائے اور آزادی اظہار کا حق حاصل ہے اس حق میں بلا مداخلت رائے رکھنے کی آزادی اور بلا لحاظ علاقائی حدود کسی ذریعے سے اطلاعات اور نظریات تلاش کرنے حاصل کرنے اور انہیں دوسروں تک پہچانے کی آزادی شامل ہے''۔

حقوق انسانی کے منشور کی اس دفعہ کی رو سے اہل مغرب نے اسکو ایک مطلق آزادی رائے کا حق قرار دیا ہے چونکہ حقوق انسانی کا منشور مغربی طاقتوں کا ترتیب دیا ہوا ہے اس لئے اس کے پس منظر میں مغربی تصور آزادی ہے جو خالص مادی نوعیت کا ہے کیونکہ مغرب عمومی طور پر مذہب کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو کر نفس پرستی کی طرف مائل ہو چکا ہے۔ جس میں

آزادی کو ایسا مطلق حق قرار دے رہے ہیں کہ معصوم انبیاء کی توہین کرنے، اسلام کے مسلمہ عقائد واحکامات کو ہدف تنقید بنانے اور مسلمانوں کے جذبات کی پامالی کرنے کو بھی وہ اظہار رائے کی آزادی قرار دے رہے ہیں۔ اور اس حق کی حفاظت کو گویا زندگی کا مقصد بنایا ہے یہی وجہ ہے کہ سلمان ارشدی کو مغربی ممالک اور انکے ذرائع ابلاغ نے صرف اس کارنامہ پر کہ اُس نے اپنی کتاب میں نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے آزادی رائے کا ہیرو بنا کر پیش کیا ہے اور اسی کارنامہ پر ملکہ برطانیہ ایلز بتھ دوم نے سلمان رشدی کو ''سر'' کا خطاب دیا ہے۔ حالانکہ سلمان ارشدی کی اس ناپاک جسارت سے اربوں مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے ہیں۔ اور مسلمانوں کا شدید احتجاج اور غیظ وغضب ریکارڈ پر ہے خود لندن کی تاریخ میں مسلمانوں کے اس قدر بھرپور مظاہرے اور کسی حوالے سے کبھی سامنے نہیں آئے ہیں۔ مسلمانوں کا مطالبہ تھا کہ سلمان ارشدی کی اس حرکت کا نوٹس لیا جائے اور مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنے اور ایک جلیل القدر پیغمبر کی شان میں گستاخی کے الزام میں اس کے خلاف کاروائی کی جائے لیکن حکومت برطانیہ نے مسلمانوں کے اس مطالبہ کو منظور کرنے کی بجائے سلمان رشدی کو سرکاری طور پر تحفظ فراہم کیا تھا۔ اور کہا تھا کہ وہ سلمان ارشدی کو تحفظ فراہم کر کے

دراصل آزادی رائے کے حق کا تحفظ کر رہی ہے۔

بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین، جب سلمان رشدی کے نقش قدم پر چلی تو وہ بھی مغرب کی آنکھوں کا تارا بن گئی اور اس کو اس کارنامہ کی وجہ سے یورپی یونین نے تحفظ فراہم کیا۔ اس نے قرآن کریم اور جناب نبی کریم ﷺ کے بارے میں گستاخانہ لہجہ اختیار کیا تو بنگلہ دیش کے عوام نے حکومت سے اسے سزا دینے کا مطالبہ کیا جو بنگلہ دیش کے قانون کے مطابق سزائے موت سے کم نہ تھی مگر یورپی یونین نے آزادی رائے کے نام پر اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ مصر کے ڈاکٹر نصر ابوزید نے اپنی تصنیفات میں جناب نبی کریم ﷺ کے بارے میں توہین آمیز ریمارکس دیئے اور قاہرہ کے بعض وکلاء نے اسے عدالت میں گھسیٹا تو یہاں بھی آزادی رائے کا مغربی تصور آڑے آیا اور وہ گستاخ رسول اب یورپی یونین کے خرچے پر یورپ میں عیش وعشرت کی زندگی گزار رہا ہے۔

ڈنمارک کے اخبار جیلنڈز پوسٹن میں جب نبی کریم ﷺ کے توہین آمیز خاکے شائع ہوئے تو دنیا کے مسلمانوں نے زبردست احتجاج کیا اور ڈنمارک کی حکومت سے اس کے خلاف کاروائی کرنے کا مطالبہ کیا۔ تو نہ صرف ڈنمارک کی حکومت نے بلکہ تمام اہل مغرب اور انکے ذرائع ابلاغ نے اسے اظہار رائے کی آزادی کا معاملہ قرار دیا۔ اور کہا گیا کہ اظہار رائے کی آزادی عالمی سطح پر مسلم ہے اس لئے مسلمانوں کا احتجاج آزادی اظہار رائے کی نفی ہے۔ اور بعض مغربی حلقوں نے توہین کے مرتکب اخبار کے ایڈیٹر کو آزادی صحافت کا چمپئن قرار دیا اور ایک مغربی نشریاتی ادارے نے باقاعدہ ایک تقریب منعقد کر کے اخبار کے ایڈیٹر کو تنقیدی صحافت کے اعلیٰ ایوارڈ سے نوازا گیا۔

مغرب کا یہ طرز عمل اور حقوق انسانی کے منشور کا یہ مطلب کہ اظہار رائے سے مراد مطلق آزادی ہے اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور اس قسم کا اظہار رائے قابل مواخذہ اور ممنوع ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے ہر فرد کو رائے کی آزادی اور اسکے اظہار کی آزادی کا حق حاصل ہے لیکن یہ حق ایسا مطلق بھی نہیں کہ انسان کی مرضی جو کچھ کہتا پھرے آزاد ہے کوئی گرفت نہیں۔ اسلام نے اظہار رائے کے حق کو اسلامی احکام سے مقید کیا ہے تا کہ رائے اور تعبیر کو بہتر انسانی مصلحت کیلئے استعمال کیا جا سکے۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہو اس لئے رائے کی آزادی کیلئے چند قیود مقرر ہیں مثلاً

(۱) حکمت کے ساتھ رائے کا اظہار ہو۔

(۲) رائے میں وعظ ونصیحت ہو۔

(۳) دوسروں کی دل آزاری نہ ہو۔

(۴) مناظرہ کی صورت میں وجہ استدلال، فلسفہ اور حکمت پر مبنی ہو باعث فساد بین الناس نہ ہو۔

(۵) حریت رائے سے اسلام یا اسلامی عقائد کو کوئی ضرر نہ پہنچتا ہو۔

ان قیود کے بارے میں اسلامی تعلیمات میں واضح ہدایات موجود ہیں ارشاد باری تعالیٰ ہے

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ . اِنَّ رَبَّکَ هُوَ اَعْلَمُ

بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ (سورۃ النحل: ۱۲۵)

''اے پیغمبر، لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف بلاؤ اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔ جو اس کے راستے سے بھٹک گیا، تمہارا پروردگار اسے خوب جانتا ہے اور جو راستے پر چلنے والے ہیں ان سے بھی خوب واقف ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون کے پاس پیغام پہنچانے کیلئے بھیجا تو حکم دیا کہ کوئی دل آزاری اور توہین آمیز طرز عمل اختیار کرنے کی بجائے نرمی سے بات کرنا۔ ارشاد ربانی ہے

فقولا له قولا لينا لعله يتذكر او يخشى (سورۃ طٰہٰ: ۴۴)

''اور تم دونوں اُس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے''

اسلامی تعلیمات میں کسی کی دل آزاری، تذلیل یا تحقیر اور توہین کرنے کو اظہار رائے کی آزادی کا حق قرار نہیں دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

لا يُحِبُّ اللّٰه الجهر بالسوء من القول الا من ظلم و كان الله سميعا عليما.

(سورۃ النساء: ۱۴۸)

''اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی اعلانیہ کسی کی برائی بیان کرے مگر وہ جو مظلوم ہو اور خدا سننے اور جاننے والا ہے''

ان الذين يحبون ان تشيع الفٰحشة فى الذين امنو الهم عذاب اليم فى الدنيا والا خرة والله يعلم وانتم لا تعلمون (سورۃ النور: ۱۹)

''بے شک جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی (یعنی تہمت بدکاری کی خبر) پھیلے ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

اللہ تعالیٰ کے طرف سے واضح احکامات بنی نوع انسان کے نام ہیں کہ کوئی قوم کسی اور قوم کا تمسخر نہ اڑائے اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کا تمسخر اڑائے اور ایک دوسرے کو عیب نہ دو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ" مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ" مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (سورۃ الحجرات: ۱۱)

''مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس میں ایک دوسرے کو عیب نہ دو''

کسی کی برائی لوگوں کے سامنے بیان کرنے کو مردار بھائی کا گوشت کھانے کے مترادف قرار دیا گیا ہے اور مردہ بھائی کا گوشت کھانا انسانی فطرت کے خلاف ہے جسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضاً اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْ كُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتاً فَكَرِهْتُمُوْهُ ط

(سورۃ الحجرات: ۱۲)

"اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی بھی اپنے مردار بھائی کا گوشت کھانا پسند کرتا ہے، پس تم اسکو تو ناپسند کرتے ہو"

پس قرآنی تعلیمات کی رو سے ہرگز کسی شخص کو ایسے اظہار رائے کی اجازت نہیں دی جاسکتی جو دوسروں کی تذلیل کا باعث ہو۔ شتر بے مہار کی طرح اظہار رائے کا ایک واقعہ تفاسیر اور بعض واقعات کتب احادیث میں بیان ہوئے ہیں جس سے اسکی ممنوعیت واضح ہوجاتی ہے۔ جناب نبی کریم ﷺ نے ابوبکر صدیق ؓ کو دعوت اسلام کا پیغام دیکر یہود بنوقینقاع کی طرف بھیجا اور دعوت نامہ میں یہود کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے، ایمان لانے، نماز قائم کرنے زکوۃ دینے کی تلقین کی گئی تھی۔ دعوت میں موجود واقرضوااللہ قرضاً حسناً اور اللہ تعالیٰ کو قرض حسنہ دو کے الفاظ کے بارے میں اس وقت یہود کے بہت بڑے عالم فخاض بن غاز نے کہا اسکا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں اس لئے تو ہم سے قرضہ مانگتا ہے حضرت ابوبکر صدیق ؓ یہ سن کر برداشت نہ کرسکے اور اس یہودی عالم کو تھپڑ مارا اور فرمایا کہ اگر ہمارے تمہارے درمیان معاہدہ حائل نہ ہوتا تو میں تلوار سے تیرا کام کردیتا۔ فخاض نے حضور ﷺ سے شکایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے آپ ﷺ کے دریافت کرنے پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! اس شخص نے اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی ہے فخاض منکر ہوا۔ اور کہا کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ گواہ پیش کریں لیکن چونکہ اس وقت ابوبکر صدیق ؓ کے ساتھ گواہ نہیں تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہود کی گستاخی کا جواب دیا اور فرمایا۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ " وَنَحْنُ اَغْنِيَاءُ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا

(سورۃ ال عمران: ۱۸۱)

"البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے سن لی ہے اُن لوگوں کی بات، جو کہتے تھے بیشک اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں بتاکید ہم لکھیں گے جو کچھ انہوں نے کہا۔

ان آیات کریمہ کے نزول کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ کو بری کردیا اور یہود کا دعویٰ خارج کردیا۔[۱۲]

امام بخاری نے کعب بن اشرف یہودی کے قتل کا واقعہ بیان کیا ہے کہ کعب بن اشرف یہودی گستاخ رسول تھا۔ جو بنی نضیر قبیلہ میں سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کرتا اور ہجو یہ اشعار کہتا۔ مسلمانوں کی نیک خواتین کی وہ اشعار میں تشبیت بیان کرتا نبی کریم ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو اسی کے قتل کیلئے مامور فرمایا اور محمد بن مسلمہ نے نبی کریم ﷺ کی ہدایت پر اُسے قتل کردیا۔ صحیح بخاری کے علاوہ دیگر سیرت کی کتابوں میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو۔[۱۳]

قرآنی تعلیمات اور نبی کریم ﷺ کا طرز عمل اس بات پر شاہد ہیں کہ آزادی اظہار رائے کا حق ایسا مطلق نہیں، جس پر کوئی روک نہ ہو۔ اور ہر قسم کی پابندی وقید سے آزاد ہو۔ بلکہ بے قید اور بے لگام قسم کا اظہار رائے جو معاشرے میں فساد کا باعث بنتا ہے، قابل

مواخذہ ہے۔

اقوام متحدہ کے منشور کی دفعہ نمبر ۲۱، شق نمبر ۱:۔

''ہر شخص کو حق حاصل ہے کہ وہ براہ راست یا منتخب نمائندوں کے ذریعے آزادی سے اپنے ملک کی حکومت میں حصہ لے''

اس دفعہ کی رو سے اسلامی ریاست میں بھی غیر مسلموں کو ایسے کلیدی عہدوں پر فائز ہونے کا حق دیا گیا ہے جہاں پر اسلامی ریاست کے خفیہ راز اور منصوبوں سے وہ عہدہ دار باخبر ہوتا ہے وہ ریاست کے رازوں اور منصوبوں کا امین ہوتا ہے۔

اسلامی تعلیمات کی رو سے اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا ایسے عہدوں پر تقرر جائز نہیں کیونکہ اسلامی ریاست ایک نظریاتی ریاست ہوتی ہے اور ایک غیر نظریاتی یا مخالف نظریات کے حامل شخص کو اسلامی نظریات کا امین بنانا خطرے سے خالی نہیں، البتہ غیر مسلم اسلامی ریاست میں نوکری و مزدوری کر سکتا ہے حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز ہو سکتا ہے لیکن ایسے کلیدی عہدے جہاں اسلامی ریاست کے راز و منصوبوں کے فاش ہونے کا خطرہ ہو وہاں تقرر جائز نہیں کیونکہ ایسے عہدوں پر غیر مسلموں کے تقرر سے اسلام اور اہل اسلام کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔

علماء اور فقہاء نے شرعی دلائل کی روشنی میں حکومت کے سب سے اہم ترین منصب ''امام'' یعنی اسلامی حکمران کے اوصاف اور شرائط بیان فرمائے ہیں، ان شرائط میں سب سے اولین شرط اسلامی ریاست کے سربراہ کے لئے مسلمان ہونا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَأَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ أُوْلِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (سورة النساء: ۵۹)

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسول کی فرمانبرداری کرو اور حاکموں کی جو تم سے ہوں''

ارشاد باری تعالیٰ میں جو منکم کی قید لگائی ہے اس قید کا مطلب یہ ہے کہ اولی الامر یعنی مسلمان کے سربراہ کیلئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تتخذوا بطانة من دونكم (سورة ال عمران: ۱۱۸)

''اے ایمان والو! اپنوں کے سوا کسی کو (غیر مسلم کو) بھیدی نہ بناؤ''

چونکہ ریاست کا سربراہ پوری ریاست کے رازوں سے باخبر ہوتا ہے اس لئے اس آیت سے بھی غیر مسلم حکمران کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

وَلَنْ يجعل الله لِلْكَافِرِيْن عَلى المؤمنين سبيلا (سورة النساء: ۱۴۱)

''اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا''

اس آیت سے فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف جائز نہیں۔ جب قرآن کی اس آیت سے کافر کی مسلمان کے خلاف گواہی جیسے ادنی اختیار کی نفی ہوتی ہے تو سلطنت جیسے اعلیٰ اختیار کی نفی پر یہ آیت بطریق اولیٰ دلالت کرتی ہے۔ مزید برآں چونکہ مسلمان ریاست کا سربراہ حکومت چلانے میں نبی کا نائب ہوتا ہے اس لئے اس کے لئے کم از کم اس عہدہ کے دوران مومن اور مسلمان ہونا شرط ہے جس کے لئے ایک اہم دلیل یہی ہے کہ امارت نبوت کی فرع ہے۔[۱۴]

چونکہ اسلام کا سیاسی نظام نظام خلافت ہے تو ایک اسلامی ریاست کے لئے ضروری ہے کہ وہاں اسلام کا سیاسی نظام یعنی نظام

خلافت قائم ہو۔لیکن یہاں سب سے پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خلافت کیا چیز ہے۔علامہ ابن خلدون لکھتا ہے کہ خلافت عوام کو شرعی نقطہ نظر کے تقاضوں کے مطابق دنیوی اور آخری فلاح و بہبود کی طرف رہنمائی کرنے کا نام ہے۔چونکہ خلافت دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست کیلئے صاحب شریعت کی جانشینی ہے لہذا اس جانشینی اور نیابت کو خلافت اور امامت کہتے ہیں۔چونکہ سیاسی احکام محض دنیوی مصالح پر موقوف ہوتے ہیں اور لوگوں کے نگاہ ظاہری دنیوی زندگی سے آگے نہیں بڑھتی۔لیکن شارع کا مقصد لوگوں کی آخرت کی اصلاح ہے اس لئے شرع تقاضوں کے مطابق عوام کو شرعی احکام پر ابھارنا ضروری ہے خواہ ان کا تعلق دنیوی حالات سے ہو یا اخروی حالات سے۔یہ کام ان ارباب شریعت کا ہے جن کو انبیاء کہا جاتا ہے یا ان کا جو انبیاء کے جانشین ہوں جنہیں خلفاء کہا جاتا ہے۔۱۵

چونکہ طبیعی حکومت عوام کے اعراض وشہوت کے تقاضوں کو ابھارنے کا نام ہے اور ایک سیاسی حکومت عوام کو عقلی نقطہ نظر سے دنیوی فوائد حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے کا شوق دلانے کا نام ہے۔خلافت عوام کو شرعی نقطہ نظر کے تقاضوں کے مطابق دنیوی اور اخروی فلاح و بہبود کی طرف راہنمائی کرنے کا نام ہے کیونکہ دنیوی کام بھی آخرت کی طرف لوٹتے ہیں، دنیا میں جو کچھ کیا جاتا ہے وہ شرع میں آخرت کی مصلحتوں ہی کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے خلافت حقیقت میں شارع علیہ السلام کی نیابت وجانشینی ہے اس لحاظ سے خلافت کا اصل مقصد اقامت دین ہے اس لئے جو نظام سیاست نیابت نبوی ﷺ کے تصور سے خالی ہو اور اسکا مقصد محض ملکی نظم ونسق چلانا ہو، اقامت دین کی روح اس میں کارفرمانہ ہو ایسے نظام کو اسلام کے سیاسی نظام سے کوئی واسطہ نہیں بیشتر مفکرین نے خلیفہ کے جو فرائض بیان کئے ہیں وہ عدل وانصاف کا قیام۔ظلم واستبداد کا خاتمہ۔نظام صلوٰۃ وزکوۃ وعشر کا قیام، مملکت کی سرحدوں کا تحفظ۔ لوگوں کے جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ کیلئے اقدامات، فرسودہ رسوم ورواجات کی بیخ کنی اور اسلامی اقدار کا فروغ، تبلیغ دین، جرائم کے سدباب کیلئے اسلامی حدود وتعزیت کا نفاذ اور غربت وجہالت کا خاتمہ وغیرہ ہیں۔۱۶

جب خلافت کی نوعیت اور اس کے فرائض واضح ہو گئے تو سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کا سربراہ (خلیفہ) کون ہو سکتا ہے لازمی بات ہے کہ قیام دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ شخص دین کے بنیادی عقائد کا ماننے والا ہو اس لئے خلافت کیلئے اولین شرط اسلام کے بنیادی عقائد پر ایمان رکھنا ہے۔اور خلیفہ کے ساتھ ساتھ وہ عہدیدار جو نظام خلافت چلانے میں نقص پیدا کر سکتے ہوں یا اسلامی نظام کے احیاء کے منصوبوں کے راز کفار تک پہنچا سکتے ہوں، تو اُن تمام عہدیداروں کا اسلامی عقائد پر مکمل ایمان واعتقاد ہونا ضروری ہے ورنہ نظام خلافت کامیابی کے ساتھ نہیں چل سکے گا۔اس لئے فقہاء کے نزدیک اگر خلیفہ یا امام فاسق ہو جائے تو وہ امامت سے معزول ہو جائے گا۔اسی طرح ارتکاب کفر کے بارے میں بھی حکم ہے کہ اگر امام کفر اختیار کرے۔تو وہ اسلامی ریاست کا سربراہ نہیں بن سکتا۔۱۷

پس درجہ بالا توضیحات سے واضح ہو جاتا ہے کہ اقوام متحدہ کی دفعہ ۲۱ نمبر ۱ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے کیونکہ اسلامی تعلیمات کی رو سے کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست میں کلیدی عہدوں پر فائز نہیں ہو سکتا۔

اقوام متحدہ کے عالمی منشور حقوق انسانی کی دفعہ نمبر ۲۱ شق نمبر ۳

''عوام کی مرضی، حکومت کے اقتدار کی بنیاد ہوگی یہ مرضی وقفے وقفے سے اور ایسے صحیح انتخابات کے ذریعے ظاہر کی جائیگی جو

عالمگیر اور مساوی رائے دہندگی پر مبنی ہو"

اقوام متحدہ کے منشور کی اس دفعہ کی رو سے ریاست کے ہر فرد کی مرضی قابل وقعت ہے نیز حکمران کی تقرری ایک خاص مدت کے لئے کی جائیگی اس کے بعد دوبارہ انتخاب ہوگا۔

جمہوری طرز انتخاب میں مرضی کا اظہار ووٹ کے ذریعے کیا جاتا ہے اور ووٹ کے لئے بالغ ہونے کی عمر کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ تو اس بنیادی اصول "بالغ رائے دہی" کا تقاضا ہے کہ مسلمان اپنے ملک میں اسلامی نظام اور شریعت اسلامی لانے اور نافذ کرانے کیلئے بالغ رائے دہی کے اصول پر نمائندے منتخب کریں اور پھر وہ نمائندے کثرت کی بنیاد پر اسلامی قوانین نافذ کریں اور غیر اسلامی قوانین کو منسوخ کر دیں جس کا مطلب یہ ہے کہ قوم کا ہر فرد۔ خواہ مرد ہو یا عورت، بلوغت کی عمر کو پہنچتے ہی فوراً اس امر کا فیصلہ کرنے کا اہل بن جاتا ہے کہ کون سا شخص اسلامی قوانین وضع کرنے انہیں نافذ کرنے اور قرآن وسنت کے مطابق حکمرانی کرنے کی اہلیت رکھتا ہے؟ گویا انتخابی سن بلوغت کو پہنچتے ہی انسان میں یہ ملکہ از خود پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اسلامی شریعت۔ اسلامی حکومت اس کے لئے مقننہ ادارہ اور قوت نافذہ وغیرہ پر ماہرانہ تنقید نگاہ ڈالا کرے۔ اور جسے ہم ووٹ کہتے ہیں، وہ محض ایک رائے نہیں بلکہ ووٹر کا یہی ہی ماہرانہ حتمی فیصلہ ہوتا ہے اس اصول کے تحت ایک جاہل گنوار اور ایک پی ایچ ڈی سکالر کا فیصلہ برابر ہے ایک چور، ڈاکو اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس یا قاضی القضاء کا فیصلہ ایک ہی درجہ رکھتے ہیں ایک شرابی، زانی، سود خور اور ایک متقی زاہد عالم یا مفتی اعظم کی رائے کی ایک ہی وقعت ہے۔ اس طرز انتخاب میں لوگوں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اس بارے میں قرآن پاک نے ایک اصول بتایا ہے اور بتانے کا انداز بھی نرالا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُو الْاَلْبَابِ (سورة الذمر: ۹)

"اے پیغمبر! ان لوگوں سے پوچھو کہ کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر ہوتے ہیں یقیناً نصیحت ہی حاصل کرتے ہیں جو عقل مند ہوں"

اس آیت کریمہ میں سوال کیا گیا ہے کہ جاننے والے اور نہ جاننے والوں کی رائے یا فیصلہ کسی امر کے بارے میں برابر ہو سکتا ہے؟ یقیناً ہر عقل و ہوش رکھنے والے کے ہاں اسکا جواب یہی ہے کہ برابر نہیں ہو سکتے۔ اس میں جواب یہی پوشیدہ ہے کہ یہ برابر نہیں ہو سکتے۔

قرآن کریم کا یہ اصول ایسا جامع، ہمہ گیر، دائمی اور بین الاقوامی اصول ہے کہ ہر ایک کے ہاں مسلم ہے کبھی بھی کسی مرض کے بارے میں ایک ماہر ڈاکٹر اور ایک فن طب سے ناواقف فرد کی رائے کو برابر نہیں ٹھہرایا گیا ہے۔ یہی دنیا کے تمام امور کے بارے میں ہے۔ پھر یہ کیسے نادانی ہے کہ اسلامی ریاست کے اہم منصب سربراہ مملکت کے انتخاب کے بارے میں اس مسلمہ اصول سے روگردانی کر دی جائے۔ اور یہ بھی ایک مسلم حقیقت ہے کہ مروجہ انتخابی اصول کے تحت تو اکثریت ان رائے دہندگان کی ہوتی ہے جو اسلامی علوم، تقوی اور خدا پرستی کے ابجد سے بھی ناواقف ہوتے ہیں اور اسلامی علوم، اسلامی ذہنیت اور اسلامی وضع قطع کو بنیاد پرستی اور انتہا پسندی وغیرہ کے

القابات سے نوازتے ہیں اسلام تعلیمات کی رو سے ایسی اکثریت کی رائے پر عمل کرنے سے منع کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَا تَتَّبِعُ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (سورۃ الجاثیہ:۸)

''اور نہ جاننے والوں کی خواہشات کی پیروی مت کرو''

قرآن کریم میں نہ جاننے والی اکثریت کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں ان کا علم ودانش، حقیقت شناسی اور خدا پرستی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کی نفس پرستی اور خودغرضی کا مظہر ہوتا ہے جسے قبول کرنا بھی انکی جہالت اور خود غرضی پر مہر تصدیق ثبت کرنے کے مترادف ہوگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَرَ أَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلاً ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَ هُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا (سورۃ الفرقان ۴۴)

''کیا تم نے اس کو بھی دیکھا جو اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہے پھر کیا تو اسکا ذمہ دار ہوسکتا ہے یا کیا تو خیال کرتا ہے کہ ان میں سے اکثر سنتے یا سمجھتے ہے یہ تو نرے چوپایون کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ اور بے راہ ہیں''

درجہ بالا تصریحات کی بناء پر ایک اسلامی ریاست کے سربراہ کے انتخاب مین ہر کس وناکس کی رائے کو یکساں قرار نہیں دیا جا سکتا۔ چونکہ ووٹ کے ذریعے رائے دینے کی حیثیت امیدوار کی اہلیت واستحقاق کی گواہی ہے اور گواہی ایک اسلامی فریضہ اور شرعی امانت ہے اس لئے گواہی دینے والے یعنی ووٹر کیلئے اسلامی نقطہ نظر سے کچھ شرائط ہیں ان شرائط کا ہونا ووٹر میں ضروری ہے۔ وہ شرائط درجہ ذیل ہیں۔

(۱) اسلامی تعلیمات کی رو سے مسلمان کے خلاف غیر مسلم گواہی نہیں دے سکتا ہے۔ لہذا ووٹر کیلئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔

(۲) ووٹر بالغ اور عاقل ہو۔

(۳) ووٹ دینے والا ''عادل'' یا کم از کم مستور الحال ہو کھلم کھلا فاسق فاجر نہ ہو۔

(۴) جس عہدہ کے بارے میں انتخاب ہو رہا ہے اسکے بارے میں ضروری معلومات رکھتا ہو۔

جہاں تک اسلام میں سربراہ کے انتخاب کا طریقہ ہے کوئی خاص مقررہ طریقہ متعین نہیں۔ چونکہ سربراہی کا عہدہ درحقیقت حضور ﷺ کا جانشینی اور نیابت کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے اصل اہمیت سربراہ کی اہلیت ہی کو حاصل ہے جب کسی شخص کے سربراہ بننے کی اہلیت دوسروں کی نسبت بدرجہ اتم ہوگی تو دین اسلام کے تقاضے پورے ہونگے خواہ یہ انتخاب نامزدگی کی بنیاد پر وجود میں آیا ہو یا اہل الرائے کے مشورہ سے وجود میں آیا ہو۔ اسلام طریقہ انتخاب کو نہیں دیکھتا، بلکہ منتخب کردہ شخص کو دیکھتا ہے خیر القرون کے خلفاء کے طریقہ انتخاب میں کوئی ایک متعین طریقہ انتخاب کو نہیں اپنایا گیا جو مذکورہ بات کی واضح دلیل ہے۔

جہاں تک صاحب اقتدار کو ایک خاص مدت کیلئے منتخب کرنے کا اصول ہے پھر اس مدت کے بعد نئے انتخاب کا انعقاد، جو حقوق انسانی کے منشور کے لوازمات میں سے ہے تو اس سلسلے میں اسلامی تعلیمات کی روح یہ ہے کہ مملکت کی سربراہی اجتماعی ذمہ داری

ہے اور اجتماعی ذمہ داریوں کے باب میں مدت کے تعین کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ اس سلسلے میں اسلام منصب پر فائز شخص کی شرائط اہلیت اور استعداد و کارگردگی کو معیار قرار دیتا ہے۔ اور اگر ملک کا سربراہ، سربراہی کی اہلیت کھو بیٹھتا ہے تو وہ بہت قلیل مدت کے اندر معزول کیا جاسکتا ہے اور اگر وہ اسلام کے دیئے ہوئے معیار پر برقرار رہتا ہے تو طویل مدت تک وہ اس عہدہ پر قائم رہ سکتا ہے۔ مثلاً خیر القرون خلفائے راشدین کے دور میں ہر ایک خلیفہ مسلمانوں کی سربراہی کے عہدہ پر تاحیات فائز رہا ہے اور کسی بھی صحابی سے ثابت نہیں، کہ اس نے مدت کے عدم تعین پر اعتراض کیا۔ یا مدت کی تقرری کی بات کی ہو، اس طرح یہ صحابہ کرام کا اجماعی فیصلہ ہوا کہ تاحیات سربراہ رہنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں اہلیت موجود ہو۔

اگر سربراہ حکومت امانت میں خیانت کرے۔ نیابتی حکمرانی کی جگہ خود مختیارانہ، نفس پرستانہ اور فسق و فجور کی راہ پر چل کر غیر اسلامی حکمرانی کی روش اپنائے تو چند دنوں کے اندر اندر معزول کئے جانے کا مستحق بن جاتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے ہٹانے سے امت میں کشت خون اور مزید فتنہ برپا نہ ہوتا ہو اور اس کے جانے کے بعد اس سے بدتر انسان اسکی جگہ نہ لے لیتا ہو۔ اگر ان دو خطرات میں سے کسی ایک کے بھی پیش آنے کا غالب گمان ہو تو پھر ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

حنفی مذہب کے مشہور فقیہ اور معروف مفسر علامہ امام جصاص تحریر فرماتے ہیں۔

ومن الناس من يظن ان مذهب ابى حنيفةؒ تجويز امامة الفاسق وخلافته و انه يفرق بينه و بين الحاكم فلا يجيز حكمه و ذكر ذالك عن بعض المتكلمين وهو المسمى زرقانى وقد كذب فى ذالك وقال بالباطل وليس هو ايضاً ممن تقبل حكايته ولا فرق عند ابى حنيفة بين القاضى وبين الخليفة فى ان شرط كل واحد منهما العدالة و ان الفاسق لا يكون خليفة ولا يكون حاكما . ۱۸

"بعض لوگوں کا زعم ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک فاسق کی سربراہی اور خلافت جائز ہے اور وہ قاضی اور سربراہ کے حکم میں فرق کرتے ہیں اور فاسق کی قضا کو ناجائز قرار دیتے ہیں امام ابوحنیفہ کیطرف مذکورہ بات کی نسبت بعض متکلمین کی طرف سے کی جاتی ہے، جس کا نام زرقانی ہے حالانکہ اس نے ابوحنیفہ کی جانب نسبت میں جھوٹ اور باطل کا ارتکاب کیا ہے بلکہ اس شخص کی حکایت (نقل مذہب) قابل قبول نہیں۔ ابوحنیفہ کے مذہب میں قاضی اور خلیفہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں بلکہ دونوں کیلئے عدالت شرط ہے اور فاسق نہ تو سربراہ بن سکتا ہے نہ قاضی"

قرآن کریم اور احادیث نبوی میں اس سلسلے میں واضح ہدایات موجود ہیں کہ شریعت کے مخالف احکام میں خلیفہ یا سربراہ وغیرہ کی اطاعت نہ کی جائے۔ چونکہ امارت اور اسکی اطاعت لازم و ملزوم ہیں جب اطاعت نہ رہی تو امارت کہاں رہی۔ اطاعت نہ ہونے کی صورت میں امارت باقی نہیں رہ سکتی۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے

لا طاعة لمخلوق فى معصية الخالق. ۱۹

"کسی مخلوق کی اطاعت اس صورت میں جائز نہیں جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہو رہی ہو"

اللہ تعالیٰ نے جب ابراہیم علیہ السلام کو امام مقرر کرنا چاہا۔ تو ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ میں آپ کو لوگوں کیلئے پیشوا بنانے

والا ہوں۔تو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر ابراہیم علیہ السّلام نے التجا کی۔کہ میری اولاد میں بھی امام بنایئے چونکہ ابراہیم علیہ السلام نے تمام اولاد کیلئے درخواست کی جن میں خداترس اور ظالم ہر ایک شامل تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا۔

لَایَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ (سورۃ البقرۃ:۱۲۴)

''میرا عہد ظالموں کے لئے نہیں ہے''

آیت کریمہ میں واضح طور رر بتایا گیا ہے کہ ظالموں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہرگز پروانہ امر حاصل نہیں اسی آیت کے ذیل میں صاحب احکام القران تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بات جائز نہیں کہ کوئی فاسق وفاجر اور ظالم شخص نبی کا خلیفہ، قاضی، یا اسلامی حکومت کا کوئی ایسا عہدہ بدار بنے جس کی بات ماننا امور دین میں لازم ہو۔اس لئے کہ ظالم کی امامت باطل ہے اور وہ خلیفہ نہیں بن سکتا۔۲۰

مولانا نور محمد نے علامہ ابن الھمام کے حوالے سے لکھا ہے کہ اگر چہ سربراہ عادل تھا۔مگر غیر اسلامی احکامات جاری کر کے فاسق بنے۔تو وہ معزول اور ہٹائے جانے کا مستحق ہے۔بشرطیکہ اس کے ہٹانے سے فتنہ وفساد برپا نہ ہوتا ہو۔۲۱

پس مذکورہ تصریحات سے واضح ہو جاتا ہے اسلامی تعلیمات کی رو سے سربراہ مملکت کے وقت کا تعین اصل مقصود نہیں اور نہ ہی یہ عوامی حق ہے ہاں اگر کسی مدت کے تعین پر امت متفق ہو اور اسمیں مسلمانوں اور ملک کا مفاد اور ترقی مضمر ہو تو ایسا کرنے کی گنجائش بھی ہے لیکن ایسا کرنا ایک بنیادی حق قرار دینا ہرگز اسلامی تعلیمات کے موافق نہیں ہے۔

اقوام متحدہ کے منشور حقوق انسان کی دفعہ نمبر ۲۵ شق ۲:۔

''ماں اور بچے کو خصوصی توجہ اور مدد کا حق حاصل ہے،تمام بچے خواہ شادی کے نتیجے میں پیدا ہوں یا بغیر شادی کے پیدا ہوں، یکساں سماجی تحفظ سے بہرہ ور ہونے کا حق رکھتے ہیں''

اقوام متحدہ کے عالمی منشور کی اس دفعہ کی رو سے بغیر شادی کے عورت کو بچے پیدا کرنے کی اجازت دی گئی ہے اور ایسی عورت کو خصوصی توجہ اور مدد کا حق دیا گیا ہے۔لیکن اسلامی تعلیمات کی رو سے شادی کے نتیجے میں اگر عورت ماں بنے تو خصوصی توجہ اور مدد کا حق اسے حاصل ہے لیکن بغیر شادی کے عورت کو ماں بننے کی اجازت اسلام ہرگز نہیں دیتا،اور اگر کوئی عورت ایسا کرتی ہے تو اسے اسلامی حدود کے تحت سزا ملے گی۔ایسی بدکار عورت کو کوئی تحفظ حاصل نہیں۔بلکہ بغیر نکاح کے جنسی آزادی اسلامی تعلیمات کی رو سے فعل زنا ہے جو گناہ کبیرہ ہے۔قرآن کریم نے واضح ترین الفاظ میں اسے حرام اور قبیح فعل قرار دیا ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّہٗ کَانَ فَاحِشَۃً وَسَاءَ سَبِیْلًا (سورۃ بنی اسرائیل : ۳۲)

''اور تم زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔بیشک وہ بے حیائی کا کام اور بہت برا راستہ ہے''

اسلام نے اس فعل کے مرتکب ہونے والوں کیلئے عبرت ناک سزا تجویز کی ہے،تاکہ معاشرے کو اس ناپاک اور قبیح عنصر سے پاک کیا جاسکے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍمِّنْھُمَا مِاْۃَ جَلْدَۃٍ (سورۃ النور : ۲)

''زنا کار عورت اور زنا کار مرد دونوں میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارو''

مذکورہ بالا تصریحات کی بناء پر اسلامی تعلیمات میں بغیر شادی کے کسی عورت کو بچے پیدا کرنے کی اجازت نہیں، اور عورت کا یہ اقدام ایک معاشرتی جرم ہے اور معاشرے کے لئے تباہ کن ہے لہذا ایسی عورت کو کوئی تحفظ حاصل نہیں اور نہ ہی اس فعل حرام کے ارتکاب پر وہ مدد کی مستحق ہو سکتی ہے۔

اقوام متحدہ کے منشور حقوق انسانی کی دفعہ ۲۷ شق نمبر ۱:۔

''ہر شخص کو آزادانہ طور پر معاشرے کی ثقافتی زندگی میں حصہ لینے، فنون لطیفہ سے حظ اٹھانے اور سائنسی ترقی اور اسکے فوائد سے مستفید ہونے کا حق حاصل ہے''

اگر چہ اسلام میں ثقافتی زندگی اور فنون لطیفہ ایک وسیع مفہوم رکھتے ہیں اور انکا دائرہ بہت وسیع ہے لیکن عصر حاضر میں ثقافتی زندگی اور فنون لطیفہ کو مصوری رقص اور موسیقی کے ساتھ مختص کیا گیا ہے تو اسلام میں ان چیزوں کے حرام ہونے کی وجہ سے ان چیزوں سے حظ اٹھانے کا حق کسی کو حاصل نہیں بلکہ یہ افعال قطعی ممنوع ہونگے۔ ان افعال کو اختیار کرنے والا تعزیر کا مستحق ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کی حرمت نصوص قطعی سے ثابت ہے مصوری کے بارے میں ارشادات نبوی ہیں۔

مسلمؒ سے روایت ہے کہ ہم مسروقؒ کے ساتھ یسار بن نمیر کے گھر میں تھے مسروقؒ نے ان کے چبوترہ میں کچھ تصاویر دیکھیں تو فرمایا کہ میں نے حضرت عبداللہ سے سنا ہے انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ سب سے زیادہ عذاب میں قیامت کے روز تصویر بنانے والے ہوں گے۔ ۲۲

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیشک جو لوگ یہ تصویر بناتے ہیں قیامت کے روز ان کو عذاب دیا جائے گا۔ اور کہا جائے گا کہ جو صورت تم نے پیدا کی ہے اس میں جان بھی ڈالو۔ ۲۳

ابو زرعہ کہتے ہیں کہ میں ابو ہریرہؓ کے ساتھ مدینہ کے ایک گھر میں داخل ہوا تو اس کی چھت کے قریب ایک مصور کو دیکھا جو تصویر بنا رہا تھا۔ ابو ہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا جو میری طرح تخلیق کرنے لگے۔ پس وہ ایک دانہ یا ذرہ تو بنا کر دکھائے۔ ۲۴

تصویر کی حرمت کے بارے میں کافی ارشادات نبوی ﷺ موجود ہیں جن کی بناء پر فقہاء نے بلا ضرورت تصویر بنانے کو ناجائز قرار دیا ہے لہذا اس سے حظ اٹھانا بنیادی حق قرار نہیں دیا جا سکتا۔

موسیقی اور گانا بجانے کی حرمت اور ممنوع ہونے کے دلائل کے بیان میں اہل علم قرآن پاک کی درج ذیل آیات کریمہ پیش کرتے ہیں۔

(۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ (سورۃ لقمان: ۶)

''اور ایک وہ لوگ ہیں کہ کھیل کی باتوں کے خریدار ہیں تا کہ بغیر سمجھے اللہ تعالیٰ کی راہ سے بچلائیں''

اس آیت کی شان نزول کے بارے میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ نضر بن حارث مشرکین مکہ میں سے ایک بڑا تاجر تھا باہر سے ایک گانے والی کنیز (لونڈی) خرید کر لایا تھا۔ اور اسکے ذریعے اس نے لوگوں کو قرآن سننے سے روکنے کی یہ صورت نکالی کہ جو لوگ

قرآن سننے کا ارادہ کرتے اپنی اس کنیز سے ان کو گانا سنواتا تھا اور کہتا کہ محمد ﷺ تم کو قرآن سنا کر کہتے ہیں کہ نماز پڑھو، روزہ رکھو اور اپنی جان دو جس میں تکلیف ہی تکلیف ہے آؤ تم یہ گانا سنو اور جشن طرب مناؤ۔

آیت مذکورہ میں لہو الحدیث کے معنی اور تفسیر میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں حضرت ابن مسعود، ابن عباسؓ اور جابرؓ کی ایک روایت میں اسکی تفسیر گانے بجانے سے کی گئی ہے جبکہ جمہور صحابہ و تابعین اور عام مفسرین کے نزدیک لہو الحدیث عام ہے تمام ان چیزوں کے لئے جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت اور یاد سے غفلت میں ڈالیں اس میں غناء، مزامیر بھی داخل ہے اور بیہودہ قصے کہانیاں بھی داخل ہیں۔ ۲۵

(۲) وَاَنْتُمْ سٰمِدُوْنَ (سورۃ النجم : ۶۱)

''اور تم تکبر کرتے ہو''

اگرچہ سامدون کے معنی غفلت اور بے فکری اور تکبر کے ہیں مگر سامدون کا ایک معنی گانے بجانے کے بھی آتا ہے اور بعض مفسرین نے اسکے معنی گانے بجانے بھی کیا ہے۔ ۲۶

(۳) وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ (سورۃ بنی اسرائیل: ۶۴)

''(اے ابلیس) اور تو اپنی آواز سے اگر تجھ سے ہو سکے تو اپنی طرف ابھار لے''

شیطان کی آواز کیا ہے اس بارے میں ابن عباسؓ نے فرمایا ہے کہ گانے اور مزامیر اور لہو لعب کی آوازیں ہی شیطان کی آواز ہیں جن سے وہ لوگوں کو حق سے قطع کرتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ مزامیر، موسیقی اور گانا بجانا حرام ہے۔ ۲۷

احادیث نبوی سے بھی گانے بجانے کی حرمت پر استدلال کیا گیا ہے۔

نافعؓ سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ ایک راستہ میں ابن عمرؓ کے ساتھ جا رہا تھا۔ انہوں نے مزمار کی آواز سنی تو اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیں اور دوسری جانب راستہ سے دور ہٹ گئے کافی دور جانے کے بعد مجھے کہا۔ اے نافع آواز آتی ہے میں نے کہا نہیں پھر اپنی انگلیاں کانوں سے نکالیں پھر کہا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ نے بانسری کی آواز سنی آپ نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کیا نافع نے کہا میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا۔ ۲۸

جابر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راگ دل میں نفاق اگاتا ہے جسطرح پانی کھیتی اگاتا ہے۔ ۲۹

پس درجہ بالا تصریحات کی بدولت ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اقوام متحدہ کا منشور انسانی حقوق جو بظاہر ایک اچھا منشور نظر آتا ہے۔ دراصل یہ ایک مغربی طرز حیات اپنانے کیلئے ایک فکری ہتھیار ہے۔ جسکی بدولت اہل مغرب اسلامی تعلیمات کو تنقید کا نشانہ بنا رہے ہیں اور اپنے تصورات کو عالمی معیار قرار دیکر حقوق انسانی کے خوشنما لبادہ میں تمام عالم میں رائج کرنے کی کوشش کر رہے ہیں حالانکہ اجمالی طور پر اس منشور کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ عالمگریت اور آفاقیت کے سارے دعوے بے بنیاد ہیں اور اسکی بہت سی دفعات اپنی تشریحات کے لحاظ سے اسلامی تعلیمات کے خلاف اور متصادم ہیں اور اسلام اس قسم کے بنیادی حقوق کا روادار نہیں کیونکہ دراصل یہ حقوق ہی نہیں بلکہ ایک خاص طرز حیات کو ساری دنیا میں جاری کرنے کی مغربی خواہش ہے۔

حوالہ جات وحواشی

۱ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حجتہ اللہ البالغہ۔ ترجمہ خلیل احمد اسرائیلی۔ اسلامی اکادمی ناشران کتب لاہور ۱۹۸۴ء، ۲:۳۷۶، ۳۷۷

۲ مولانا محمد شفیع۔ معارف القرآن۔ ادارۃ المعارف کراچی، ۱۹۷۹ء، ۲:۲۸۱

۳ محمد حنیف گنگوہی، الصبح النوری۔ المکتبہ الاشرفیہ لاہور ۱۳۹۷ھ ص ۱۱۴

۴ شاہ ولی اللہ۔ حجتہ اللہ البالغہ، ۲:۳۱۷

۵ محمد تقی عثمانی، درس ترمذی، مکتبہ دارالعلوم کراچی، ۲۰۰۵ء، ۳:۳۷۵

۶ المرغینانی۔ الھدایہ۔ باب فی الاولیاء ولا کفاء

۷ محمد حنیف گنگوہی۔ الصبح النوری، ص ۱۱۵

۸ (ا) امام ابوعیسیٰ۔ محمد بن عیسیٰ الترمذی۔ جامع الترمذی، ابواب الحدود، باب ماجاء فی المرتد
(ب) امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الحدود باالحکم فیمن ارتد۔

۹ سنن ابی داؤد۔ ایضاً

۱۰ (ا) ابن قدامہ۔ المغنی۔ طبع کانپور۔ ۱۰:۷۴
(ب) مولانا تقی عثمانی۔ تقریر ترمذی۔ مکتبہ میمن اسلامیہ پبلشرز کراچی ۱۹۹۹ء۔ ۲:۱۱۱

۱۱ مولانا تقی عثمانی۔ تقریر ترمذی۔ ص ۱۱۵

۱۲ (ا) قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری اردو، مکتبہ دارالاشاعت کراچی ۱۹۹۹ء، ۲:۲۹۰
(ب) مولانا سرفراز صفدر، ذخیرہ الجنان فی فہم القران۔ لقمان اللہ میر برادران گوجرانوالہ۔ ۲۰۰۳ء، ۳:۳۹۵

۱۳ (ا) محمد بن اسماعیل البخاری۔ الصحیح البخاری۔ کتاب المغازی باب قتل کعب بن اشرف
(ب) ابن کثیر۔ تاریخ ابن کثیر اردو۔ دارالاشاعت کراچی ۲۰۰۴ء، ۳، ۴/۲: ۴۴۲۔ ۴۴۵

۱۴ مولانا نور محمد، جمہوریت عقل ونقل کے آئینے میں، مکتبہ جامعہ دارالعلوم۔ وزیرستان وانہ، ۲۰۰۳ء، ص ۲۵۵

۱۵ علامہ عبدالرحمان ابن خلدون۔ مقدمہ ابن خلدون، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۸۶ء۔ ۱، ۲، ۱/۱: ۴۵۲، ۴۵۳

۱۶ ڈاکٹر محمد سرور، اسلام اور جدید ریاستی نظام۔ مکتبہ تعمیر انسانیت لاہور ۱۹۹۰ء ص ۱۸۵، ۱۸۶

۱۷ علی بن محمد الماوردی، اسلام کا نظام حکومت ترجمہ ساجد الرحمان صدیقی۔ اسلامک پبلیکیشنز لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۳۶، ۳۷

۱۸ امام ابوبکر حصاص۔ احکام القران۔ سہیل اکیڈمی لاہور، ۱۹۸۰ء، ۱:۷۰

۱۹ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ۔الجامع الترمذی۔ابواب الجہاد باب لا اطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ اللہ

۲۰ امام ابوبکر جصاص۔احکام القران۔۱:۶۹

۲۱ مولانا نور محمد۔جمہوریت عقل ونقل کے آئینے میں۔ص ۴۰۱

۲۲ محمد بن اسماعیل البخاری،الصحیح البخاری۔کتاب اللباس باب التصاویر۔

۲۳ ایضاً

۲۴ ایضاً

۲۵ (ا) مولانا محمد شفیع۔معارف القران، ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۸۱ء،۸:۲۰

(ب) مولانا محمد عاشق الٰہی۔انوار البیان فی کشف اسرار القران۔ ادارۃ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۴۲۴ھ،۷،۸:۱۳۸

۲۶ (ا) مولانا محمد شفیع۔معارف القران،۔۸:۲۲۲

(ب) مولانا محمد عاشق الٰہی۔انوار البیان فی کشف اسرار القران، ۹:۷۱

۲۷ مولانا محمد شفیع۔معارف القران۔ ۵:۴۹۱

۲۸ سنن ابی داؤد۔کتاب الاداب۔باب کراھیۃ الغناء والذمر

۲۹ امام بیہقی۔شعب الایمان باب فی حفظ اللسان فصل حفظ اللسان من الشعر